سائرہ رضا
ادھوری داستان
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

سائرہ رضا

ادھوری داستان

دونوں سمدھنیں جو دیورانی جٹھانی بھی تھیں، بڑے سے آنگن کے اس کونے میں چارپائی ڈالے بیٹھی تھیں۔ جہاں سے وہ سامنے والے کمرے پر نظر بھی رکھ سکیں اور ابھرتی ہوئی سسکیوں اور کراہوں سے سماعتوں کو بچالیں۔

دردِ زہ سے تڑپتی نجمہ کے پاس ماں یوں نہ کھڑی تھی کہ بیٹی کو اس حالت میں دیکھنا دل بند کر دینے کے مترادف تھا اور ساس کی تو تصور ہی سے گھگھی بندھی جاتی تھی۔ ایک ایک پل صدی کی طرح گزر رہا تھا۔

حالانکہ یہ نجمہ کا پہلا بچہ نہیں تھا۔ پانچواں بچہ..... دونوں کلام الٰہی کا ورد کر رہی تھیں۔ ایک نے تسبیح پکڑ رکھی تھی۔ دوسری نے یٰسین جب دائی اور کام والی ملازمہ کے اندر باہر کے چکر میں تیزی آتی تو ان کے ہونٹوں کی جنبش بھی رفتار پکڑ لیتی۔

تسبیح مکمل ہونے پر ساس نے اسے چوما اور مٹھی بند کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی تب نجمہ کی ماں نے یٰسین سے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔" ساس نے بولنا شروع کیا۔ "بس وہی خیال آگیا تھا کہ یہ دنیا کے پاس ڈھیر پڑا ہے نسخوں، وظیفوں، طریقوں کا..... ایسے کرو تو بیٹا ہوگا..... ویسے کرو تو بیٹا ہوگا۔ اسی فرمائش کے نام پر یہ بڑے بڑوں نے اپنے دکانیں چمکا رکھی ہیں۔ کیا تعویذ تو کیا ٹونے ..... پر کسی کے پاس بیٹی پیدا ہو جانے کی دعا بھی نہیں اور دوا بھی نہیں..... بات کرو تو دنیا ایسے دیکھتی ہے جیسے ہم کوئی پاگل ہوں۔"

"اللہ پر بھروسا رکھیں بھابھی..... وہ سب کی سنتا ہے۔" انہوں نے یٰسین کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔

"لوگ کہتے ہیں ناشکری ہوں میں..... خود تین بیٹے پیدا کیے۔ آگے ہونے چار..... تو ایسے ہی ناٹک کرتی ہوں بیٹی کی طلب دکھا کر..... اب کسی کو کیا کہوں 'لالچ' کرتی ہوں۔ بیٹی کی تربیت کرنے سے جنت پکی ملتی ہے۔"

"بیٹی کی پرورش سے تو جنت پکی ہے ہی..... نبی کی پیروی بھی جنت کا ٹکٹ ہوتی ہے بھابھی.....!" انہوں نے رسان سے نکتے کی بات بتائی۔

"تم تو کہو گی۔ دو دو بیٹیوں کی ماں جو ہو۔ تمہارے ٹکٹ تو کٹے ہوئے ہیں ہی۔" بھابھی نے جلے کٹے لہجے میں کہا تو نجمہ کی ماں ہنس پڑیں۔ تب ہی تمتماتے چہرے کے ساتھ دائی اور ملازمہ برآمدے میں جلوہ افروز ہوئیں۔

"مبارک ہو بھابھی بیگم..... مبارک ہو نجمہ کی ماں ..... بیٹی ہوئی ہے۔"

"ارے میرے مالک .....!" بھابھی بیگم کھڑی ہوئیں مگر ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ تخت پر گرنے کے سے انداز میں دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"سچ کہتی ہو ناں؟" نجمہ کی ماں نے پوچھا۔

"بالکل سچ آپا جی..... بالکل سچ۔" ملازمہ کی خوشی کا بھی کیا عالم تھا۔ اسے اندازہ تھا ادھر بیٹی پیدا ہونے پر اسے منہ مانگے تحائف دیے جائیں گے۔ دیورانی جٹھانی ایک دوسرے سے لپٹی مبارک باد دے رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ننھی ثریا کے لاڈ و پیار کے ساتھ تربیت کا بیڑا بھی سارے گھر نے اٹھالیا۔ ہر شخص بساط بھر حصہ ڈالتا۔ چاروں بھائیوں کی سوچ تھی وہ گلی ڈنڈا' پٹھو گرم' اونچ نیچ' رسی کودنے جیسے کام بس سال کے اندر اندر سیکھ لے۔ بھائی اس دن کے بھی شدت سے منتظر تھے' جب وہ دوستوں کی بہنوں کی طرح شکار کیے گئے چڑوں کا گوشت بھون کردینے کے قابل ہوجاتی۔

نجمہ بیگم کو صرف اسے تیار شیار رکھنے کا حکم تھا۔ باقی نانی اور دادی نے بغیر کہے کام تقسیم کرلیے تھے۔ دادی کی ساری توجہ دینی تعلیم و تربیت پر تھی جبکہ نانی سلیقہ شعاری کے حوالے سے نواسی کو طاق دیکھنا چاہتی تھیں۔

سلائی' کڑھائی سارے ہی ٹانکے آنے چاہئیں اور بھون بھون کے سارے پکوان بنانے میں تو ثریا کا کوئی ثانی ہو ہی نہ۔۔۔

جب ثریا ذرا بڑی ہوئی' تب سب اسے اپنی اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے تگ ودو میں لگ گئے۔ ایسے میں ابا میاں نے اپنا خواب بتا کر سب کو حیران کردیا۔ وہ بیٹی کو اسکول داخل کروانے جائیں گے اور بھائیوں کو ہدایت کی کہ اسے ہاتھ پکڑ کر لکھنے کی مشق کروانا شروع کردیں۔

سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ گھر سے لڑکوں کا اسکول ہی کتنا دور تھا' لڑکیوں کا تو سنا ہے کہ بہت ہی دور ہے۔ مانو شہر کا کونا۔۔۔ دوسرا حصہ۔ سات سال کی چھوٹی سی بچی وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ توبہ توبہ۔

اور تمام امور میں مہارت دینے کے لیے دادی' نانی سردھڑ کی بازی لگا تو رہی ہیں ناں۔۔۔ دینی تعلیم ضروری ہے وہ ماشاء اللہ قرآن پاک شروع کیا چاہتی ہے کتنی ہی دعائیں اور حدیثیں منہ زبانی یاد ہوگئی ہیں۔

اور نعت تو اس لحن اور سوز سے پڑھتی ہے کہ دل جھوم جھوم اٹھتا ہے اور آنکھ نم ہوجاتی ہے۔

اور سب سے بڑھ کر سورۃ رحمٰن ترجمہ کے ساتھ یاد ہے۔ دادی تو رٹو طوطے کی طرح شروع ہی ہو گئیں۔ کہیں جا کر نانی کو موقع ملا۔

"ہاں ہاں ماشاء اللہ۔۔۔ چھری پکڑنے کا طریقہ بھی آگیا ہے۔ آلو کا چھلکا ایسے اتارتی ہے' جیسے کاغذ کی پرت ہو۔ آٹا گوندھنے کی ضد کررہی تھی۔ میں نے خود سے ہی روک دیا۔ لسّی بنانی تو آہی گئی ہے۔ ہاتھ میں اتنا سلیقہ ہے کہ مانو صدیوں کا تجربہ ہو۔ کام کرتے وقت مجال ہے جو لباس پر چھینٹا سا بھی پڑ جائے۔ بٹن ٹانکنا تو آیا ہی تھا۔ ترپائی کا گر بھی سیکھ لیا ہے' اس دن تم بھی تو کہہ رہے تھے کہ اماں یقین نہیں آرہا' میری قمیص پر بٹن ثریا نے لگائے ہیں۔"

نانی کو تو اسکول والی بات سرے سے ہی غلط لگی تھی۔ سارے جواز سے پرے ان کی آنکھوں کا نور۔۔۔ کتنا بھی جھوٹ بولیں۔۔۔ کوئی سات آٹھ گھنٹے نظروں سے اوجھل رہے گا۔۔۔ ہائے ہائے اف۔

ثریا کی ماں خاموش تھی۔ وہ ماں اور ساس کی طرف دار تو تھی مگر بات شوہر نامدار کی بھی درست لگتی تھی۔

"اماں اور چچی اماں۔۔۔" وہ رسانیت سے گویا ہوئے۔ "آپ کی کوئی بھی بات غلط نہیں مگر اب تقسیم سے پہلے کی دنیا نہیں ہے یہ 1962ء ہے 1962ء۔۔۔ زندگی گزارنے کے نئے اصول و قواعد طے کیے جارہے ہیں۔ اب لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم بھی ضروری ہے۔"

"ہم پرانے زمانے کے لوگ' آج مرے کل دوسرا دن۔۔۔! اس نے تو وہی آگے کا زمانہ جینا ہوگا ناں۔ ایسے ہی ان پڑھ رہ گئی تو زمانے کے ساتھ کیسے چلے گی۔ کل کو کسی مقام پر پہنچے گی ناں تو ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں دے گی دعائیں۔"

"اوئی!" دادی اور نانی کو کرنٹ لگا۔

"اے تو کیا نوکری کرے گی کلکٹر لگے گی؟" نجمہ نے بھی بری طرح چونک کر سرتاج کو دیکھا۔

"بالکل! نوکری بھی کرنا چاہے تو کرے۔۔۔ اور کلکٹر بھی لگ سکتی ہے۔ کلکٹر کو کیا سرخاب کے پر لگے

ہوتے ہیں؟"

ابا نے کسی قدر شوخی سے کہا اور ساتھ ہی دور رسّی کودتی ثریا کو دیکھا۔ دو بھائی رسی کے سرے پکڑے ہوئے گھماتے تھے اور ثریا تھی کہ کود کود کر تھکتی تھی مگر جنون کم نہ ہوتا تھا۔ جب چھوٹے دو نے بازو شل ہوجانے کی دہائی دی' تب بڑے دو نے دست بستہ اپنی خدمات پیش کردیں کہ بہنا کا دل نہ ٹوٹے۔

"اے تم نے تو دنیا سے انوکھی بات ہی کردی۔" دادی نے انگلی ناک پر جما کر کہا۔ نانی کچھ نہ بولیں کہ خود ہی بیٹے سے نبیٹے کہ ہم کچھ بولے تو شکایت ہوگی۔

"آج انوکھی لگتی ہے' بیس سال بعد نہیں لگے گی۔" ابا میاں نے کہا۔

"آپ خود ہی تو کہتی ہیں وہ اتنی ذہین ہے' قابل ہے تو ایسی بچی کا تو حق ہے کہ اسے سب کچھ دیا جائے اور سب سے بڑھ کر میں بیٹے بیٹی کو ایک ہی طرح سے پالنا چاہتا ہوں۔ میری بیٹی ان پڑھ کیوں کہلائے' خوامخواہ ہی۔"

☆ ☆ ☆

ثریا کا اسکول جانا شروع ہوگیا۔ ابا دفتر جاتے ہوئے سائیکل پر چھوڑتے واپسی پر تانگا۔۔۔ پہلے دن گھر بھر میں ایمرجنسی لگ گئی۔ ثریا کے ناشتے دان کی تیاری۔۔۔ اور اس پر ثریا کی تیاری۔۔۔

کالے بند بوٹ۔۔۔ سفید شلوار دوپٹے کے بیچ ہلکی نیلی قمیص۔۔۔

خوب تیل ڈال کر اتنی کس کے چوٹیاں گوندھی گئیں کہ آنکھیں "چینی" ہوگئیں اور اس پر سرمہ کا تڑکا۔۔۔ یہ بڑے بڑے ڈورے۔

پھر سفید دوپٹے کو نماز کی طرح سے اوڑھا دیا۔

اچھی پیاری صورت ثریا کو کیا سے کیا کردیا توبہ۔۔۔ بھوت جیسا مانو۔

دوپہر کو واپسی پر ثریا انسان صورت تھی۔

ٹیچر نے بال ڈھیلے کروائے اور تیل نہ لگانے کی ہدایت کی یا کم از کم اتنا نہیں۔ منہ دھلا دھلا کر آنکھوں کی سیاہی کم کرنے کی کوشش میں چہرہ بھی رگڑنا پڑا۔ سب سے اہم کام دوپٹے کو وی کی طرح تہہ لگا کر شانوں پر ڈال دیا۔

گھر کی سرکردہ خواتین کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ثریا تو ایک ہی دن میں کیا سے کیا ہوگئی۔

بہت پڑھی لکھی تو لگ ہی رہی تھی۔ بے حد خوش تھی۔ رات گئے تک کتابیں کھولے بیٹھی رہی۔ دادی نانی سے کہانیاں سننے کا شوق تھا مگر انہیں وہ والی باتیں بالکل نہیں پتا تھیں' جو کتابوں میں لکھی ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

پیاری ثریا نے جب دادی' نانی کو مایوس نہیں کیا تھا تو ابا میاں کو کیسے کرتی۔ ذہانت خداداد تھی پھر شوق اور جستجو۔۔۔ تھوڑے ہی عرصے میں جیسے ڈنکے بجنے لگے۔

صورت شکل خدا کی دین۔۔۔ اکلوتا ہونا ایک اضافی خوبی۔۔۔ پھر سلیقے طریقے اور پڑھائی کی لیاقت نے شخصیت کو چار چاند لگادیے۔ ثریا سے سب خوش رہتے۔ اس کی مثالیں دی جاتیں۔ ثریا ہی کی دیکھا دیکھی خاندان اور آس پڑوس کی بھی کتنی ہی لڑکیوں نے اسکول کا منہ دیکھا۔ وہ کسی کے کہے بنا ایک لیڈر بن گئی۔

دادی کی توجہ دینی تعلیم کی طرف تھی۔ سو وہاں بھی کوئی کمی نہ رہی۔

نانی اسے مراۃ العروس کی اصغری سے بھی کچھ بڑھ کر بنانا چاہتی تھیں۔

ماں امور خانہ داری میں طاق ہونے کے لیے ساتھ لگائے رکھتیں۔

ابا میاں تو شاندار رزلٹ دیکھ کر خوش رہتے ہی تھے۔

اتنی خوبیوں کا مجموعہ۔۔۔ ثریا میں ایک خامی بھی تھی۔ جو بظاہر بے ضرر تھی مگر اکثر بے ضرر نظر آنے والی چیزیں ہی ضرر رساں ہوتی ہیں۔

اسے آج کا کام کل پر ٹالنے کی عادت تھی۔ یا دوسرے الفاظ میں کام جب کرتی جب ناک تک آجاتا

اور چونکہ بلا کی با اعتماد تھی اور خود پر بھروسا بھی سو عادت پختہ ہوتی چلی گئی۔

نانی سمجھاتیں۔ ماں بھی نصیحتیں کرلیتیں۔ دادی کی جلی کٹی مثال تو بچے بچے کو ازبر ہو چکی تھی۔

"دروازے کھڑی بارات ...... چھیدو لڑکی کی ناک۔"

ثریا زور سے ہنس پڑتی۔ دادی کو ہنستی ہوئی بڑی پیاری لگتی۔ اللہ کرے سدا ایسے ہی کھلکھلاتی رہے مگر اوپری غصے سے پوچھتیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات بٹیا......؟"

"کچھ نہیں دادی جان! میں بس یہ سوچ رہی ہوں کہ بارات دروازے پر کھڑی ہے۔ استقبال کو کوئی نہیں۔ دولہا میاں حیرت سے دائیں بائیں دیکھ رہے ہیں، غلط گھر تو نہیں آگئے۔ یہ نہیں خبر...... گھر تو درست ہے مگر سارے کے سارے اندر زنانے میں ناک چھیدنے گئے ہیں۔"

بات ختم کرتے کرتے ثریا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

تینوں خواتین بھی مسکرائیں مگر نانی جان نے تادیب ضروری سمجھی۔

"اے بچی! لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز گھر سے باہر نہیں جانی چاہیے۔"

"چلیں جی۔ کل کو آپ کہہ دیں گی۔ لڑکیوں کو ہنسی بھی نہیں آنی چاہیے۔"

"بالکل آنا چاہیے۔ اللہ رب العزّت سب کی بیٹیوں کو ہنستا مسکراتا شاد آباد رکھے مگر ہر چیز کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔"

"اب جب پتا ہے کہ عصر کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے تو اذان کی آواز کان پڑتے ہی نماز کو کیوں نہ اٹھیں ...... بعد میں دیوار کی دھوپ کو گرتے دیکھ کر بھاگی ہو۔ اتنی تیزی کے وضو میں کیا تراوٹ اور کا مہلت...... پھر نماز کیسی رہی ہو گی۔ وہ اب تم جانو یا اوپر والا......"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ دادی جان!" منجھلے بھائی نے سامنے والی چھت سے سر اٹھا کر نیچے ان سب کو دیکھا۔ وہ پڑھ رہے تھے اور سب آوازیں کان پڑ رہی تھیں "اوپر میں ہی تھا...... دیکھ رہا تھا نماز کو...... یہ ٹکروں ٹکریں...... یہ ٹکروں پر ٹکریں...... ساتھ ساتھ دیوار سے اترتی دھوپ پر بھی نظر مار رہی تھی۔ جلدی جلدی دعا مانگی 'منہ پر ہاتھ پھیرا اور یہ جا وہ جا۔"

بھائی جان نے ساری حقیقت بتا ڈالی۔ ثریا جھینپ گئی۔ واقعی اس کی نظریں دھوپ پر تھیں۔ وقت بالکل خاتمے پر تھا۔

"آپ کو شرم نہیں آتی کسی کی نماز دیکھتے ہوئے؟"

"اچھا...... نماز بھی کسی کی ہوتی ہے؟"

"بالکل ہوتی ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "ہر کسی کی اپنی نماز ہوتی ہے۔"

"تو پھر اپنی نماز کو مشکل میں کیوں ڈالا؟" بھائی جان نے لاجواب کر دیا۔

ثریا دوبارہ شرم سار ہو گئی کہ تینوں خواتین کے ساتھ وہ بھی قائل ہو گئی تھی۔

"اچھا آئندہ نہیں کروں گی۔"

"ہمارے ساتھ ہی کھڑی ہو جایا کرو۔" نانی جان اور دادی جان نے آسان حل پیش کیا۔

"خالی یہی ایک مسئلہ تھوڑی ہے؟" امی جان کے حساب سے مزید باز پرس ابھی ضروری تھی۔

"جب اسے پتا ہے کہ اس کے ابا میاں شام کو آتے ہی اس کے ہاتھ کی چائے پیتے ہیں تو بھئی دھیمی آنچ پر پہلے سے چائے کا پانی چڑھا دے مگر نہیں...... سلام دعا کرے گی۔ ہاتھ سے بیگ لے گی۔ جوتا رکھے گی۔ کپڑے دینے کے بعد جب وہ منہ ہاتھ دھو کر تسلی سے بیٹھ کر چائے مانگیں گے۔ اس کو تب یاد آئے گا کہ چائے تو رکھی ہی نہیں...... پھر سر پر پیر رکھ کے بھاگے گی۔"

"تو لے بھی تو آتی ہوں ناں پلک جھپکتے...... کبھی ابا میاں نے یہ تو نہ کہا مجھ کو دیر ہو گئی۔ اذان کی آواز سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔" اس نے بڑے ضبط

سے ماں کو سنا تھا' اب تیزی سے صفائی دی۔ "کبھی شکایت تو نہ کی۔"

"تو اس کا کیا مطلب...... پہلے سے تیاری کر کے رکھنی چاہیے ناں یہی عادتیں رہیں تو پختہ ہو جاتی ہیں ــ چائے پلک جھپکتے میں بن سکتی ہے۔ کیا پائے بنانے کے لیے بھی چٹکی بجا کر جاؤ گی...... کہ جی بس ابھی لائی۔"

ماں کو سخت شکایتیں تھیں اس سے' ثریا نے بے حد برا منہ بنا کر دادی نانی کو دیکھا کہ دیکھیے آپ کی پوتی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

"اب کیا کیا کہیں...... کہ دوسرا سُنے اور بس دانتوں تلے انگلیاں داب لے۔" نانی جان بولیں۔ "چھ ماہ سے سن رکھا تھا۔ اسکول میں مینا بازار لگے گا۔ ہڑبونگ مچا کر ریشمی کپڑا منگوایا۔ چھاپہ لگوانے کے لیے کوئی ڈیزائن ناک پر نہ چڑھا۔ پھر بنوانے بھیجا۔ اس کو خود کو تو صرف دوپٹے پر کروشیہ کی بیل ٹانکنی تھی۔ اب مینا بازار جانے والی رات جب کپڑے نکالے ہیں تو ایک جانب سے پلو خالی اور دوسری طرف سے ماتھا پٹی پر بھی کروشیا کی بیل ندارد۔ آدھی بنی تھی۔ دھاگا کروشیہ ساتھ ہی تہہ لگا کر رکھا تھا۔ ساری رات جاگ کر پھر بیل پوری کی۔"

نانی جان کا لہجہ قلق سے بھرپور تھا۔

"تو پورا تو کر لیا تھا ناں...... سب سے خوب صورت لباس تھا میرا سب لڑکیوں میں۔" اس دن کی یاد نے اس کے لبوں پر مسکان بکھیر دی۔

"اور وہ جو انگلیاں فگار ہوئیں جلد بازی میں۔" نانی کو شہادت کی پور پر کروشیہ کے سوئے کی چوٹیں یاد تھیں' اب بھی ذکر سے ہی دل چر سا گیا۔

"انگلیاں فگار ہوئیں جلد بازی میں...... واہ!" واہ بڑے بھیا ابھی ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ "کیا مصرعہ کہا آپ نے نانی جان! اب دوسرا بھی سنایئے۔" بڑے بھیا نے گویا جھوم کر داد دی۔

"مصرعہ...... دوسرا...... کون مصرعہ...... اور دوسرا تو یہاں کوئی بھی نہیں؟"

نانی جان نے اپنے دائیں بائیں تیزی سے کسی دوسرے کو کھوجا تو سب زور سے ہنس پڑے۔ ثریا کی کلاس بھی اختتام کو پہنچی۔

☆ ☆ ☆

کہتے ہیں' فطرت بدلی نہیں جاسکتی۔ عادت تبدیل ہو جاتی ہے مگر بعض عادتیں جو پختہ ہو جائیں وہ فطرت سے بھی زیادہ مستحکم اور قطعی بن جاتی ہیں۔

کام کو ٹالنا یا عین وقت پر بھاگم بھاگ کر لینا اس کی شخصیت کا حصہ بن گیا جیسے...... اور اتنا اہم اس لیے نہیں رہا کہ کام ہو ہی جاتا تھا۔ وہ کبھی پچھتائی بھی نہیں

ماں' نانی' دادی اور دیگر اہل خانہ کے کام کاج تو وہ کسی نہ کسی طرح وقت پر نبٹا دیتی مگر اپنے ذاتی کاموں کے لیے ڈھیلی رہتی۔

نوٹس بنانے کے لیے ٹیچر ایک ہفتے کا وقت دیتیں۔ یہ سارا ہفتہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی کلاس میں۔ لڑکیاں لائبریری میں کتابیں چھانٹ رہی ہیں۔ آپس میں ڈسکشن کر رہی ہیں۔ اسے شامل کرنے کی کوشش کرتیں تو یہ شانے اچکا دیتی۔ "ابھی تو میں نے دیکھا ہی نہیں تو کیا ڈسکس کروں؟"

"ارے تو اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں اور تم نے ابھی تک کھول کر بھی نہیں دیکھا۔"

"ہو جائے گا بھئی...... کیا آفت ہے!" وہ لاپروائی سے کہتی۔

اور پھر واقعی ہو جاتا۔ وہ نوٹس دینے والی آخری رات میں رات گئے تک' جب اہل خانہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوتے' گرد و پیش سے بے خبر قلم چلاتی۔ ورق پلٹتی۔ اور صبح سب سے بہترین اسائنمنٹ اس کا ہوتا۔ تب ایک شان بے نیازی سے سر اٹھائے وہ چلتی۔

اسے کرنے والے سب کاموں کا پتا ہوتا تھا مگر وہی کہ...... ابھی تو بہت وقت ہے' کہہ کر مزے سے گھومتی کہ "کرلیں گے۔ ہو جائے گا۔ مسئلہ ہی کیا ہے۔ کیا کوئی پیچھے لگا ہے؟"

ادھر نانی دادی جب تک زندہ رہیں' اسے ساتھ لگائے رکھتیں۔

نانی پیار سے اور کبھی حکمیہ انداز میں کچھ ڈانٹ ڈپٹ کر اپنے سامنے کام کرواتیں۔ دادی نے یہ کیا کہ نماز کے لیے کھڑی ہوتیں تو تب تک تکبیر نہ کہتیں' جب تک ثریا گرتی پڑتی برابر نہ آجاتی۔ دادی کا تو یہ طریقہ تھا کہ نماز کا وقت ہونے والا ہوتا تو وضو کرکے دوپٹا جما کر بیٹھ کر اذان کی آواز کا انتظار کرنے لگتیں۔ اذان مکمل ہوتی تو دعا مانگ کے جائے نماز پر کھڑی ہو جاتیں۔

"ارے تو کیا کوئی چابک لے کر پیچھے کھڑا ہے کہ فوراً"۔۔۔ فوراً"۔" وہ احتجاج کرتی۔

"بالکل کھڑا ہے۔۔۔ مگر بس بات یہ ہے کہ چابک دکھائی نہیں دیتا۔"

دادی کا جسم اللہ کے خوف سے لرزہ براندام ہو جاتا۔ یہ بھی ڈر جاتی۔

رمضان کے مہینے میں جو پانچ سات روزے چھوٹ جاتے۔ انہیں رکھنے میں اتنی دیر لگائی کہ اگلا رمضان سر پر آکھڑا ہوتا۔ تب بھی آج کل کے چکر۔۔۔ نانی دادی کو جب خبر ہوئی تب مانو ثریا کی شامت آگئی۔

اس پر تین رمضان کے روزے بقایا تھے۔ خوب سخت سست سنایا۔

"اب اکیلے اٹھ کر کیسے سحری بناتی۔ اکیلے روزے کیسے رکھتی۔"

دادی جان نے حل نکالا۔ نفلی روزے وہ رکھا ہی کرتی تھیں۔ موسم اچھا دیکھ کر اسے بھی ساتھ لگا لیا۔ تین چار لوگ مل گئے تو موڈ سا بن گیا۔

اور چونکہ ثریا محبتوں کے زیر اثر تھی اور دعاؤں کے۔ محنت اور ذہانت کی خوبی اللہ کی ودیعت کردہ تھی۔ سو وہ کامیابیاں سمیٹتے سمیٹتے اس مقام سے بھی آگے بڑھی جو کبھی دادی کے خدشے کی صورت اور ابا میاں کے خواب میں جاگا تھا۔

بنتے بنتے وہ محکمہ تعلیم کی بہت بڑی افسر بن گئی۔

شوہر بھی افسر لگا تھا۔ اور اسے بھی اتنا آگے جانا تھا کہ بڑا افسر بن جائے۔ ایک دم بڑا افسر۔۔۔ گھر بھر کی لاڈو رانی عملی زندگی میں داخل ہوئی تو ساری لاپروائیاں چھوٹنی پڑیں۔ اس دوڑ میں کام کو آگے نہیں ٹالا جاتا تھا۔ بلکہ وقت سے بہت پہلے ختم کرنا پڑتا تھا ورنہ آپ پیچھے رہ سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

54ء میں پیدا ہونے والی ثریا نے جب بچپن کے دن گزارے تو سن 64ء کا تھا۔ دس سال مزید گزرے تو 74ء کے آغاز میں جوانی بھی جوبن پر تھی مگر پھر معاشرے اور معاشرتی تقاضوں میں اتنا فرق اور جدت نہیں آئی تھی' جتنی آج کے دور میں ہے۔

اقدار و روایات کا پاس تھا۔ شرم لحاظ۔۔۔ پردہ' جھجک۔۔۔ قناعت سادگی گھر کے اندر یہی چلن تھا۔

مگر ایک نیا کلچر۔۔۔ ڈرائنگ روم کلچر۔۔۔ کچھ دکھاوے کا عنصر۔۔۔ غرور اور بے نیازی کی ادائیں اونچے طبقے میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ متوسط طبقہ ان چیزوں سے نابلد تھا اور روایات کا پاس دار بھی۔۔۔ جبکہ ثریا اور شوہر نام دار اس نئے کلچر کو سراہ رہے تھے اور اس میں داخل ہونے کی تگ و دو میں جت گئے۔ انہیں متوسط طبقے کی درجہ بندی سے نکل کر اعلیٰ طبقے کا فرد کہلوانا تھا۔

80ء کی دہائی کے آغاز تک دونوں سردھڑ کی بازی لگا کر ریس میں جت گئے۔ مقابلہ ہر میدان میں تھا۔ لباس' خوراک' رہائش' اسکول' سہولیات اور طرز زندگی۔۔۔

بڑے سے ناشتہ دان کے ہمراہ تانگے پر سرکاری اسکول جانے والی ثریا کے پانچ بچے ایک نئے نئے بنے انگلش میڈیم اسکول میں جانے لگے۔

مہمان داری بھرے دسترخوانوں سے ہٹ کر ریفریشمنٹ میں بدل گئی۔

سرکاری رہائش تھی تو محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے تھے' جیسے کی مثال ہو گئی مگر زندگی بھر ایسے ہی تو نہیں رہنا تھا ناں۔۔۔ کراچی میں نئی نئی ہاؤسنگ اسکیمیں متعارف کروائی جا رہی تھیں۔ ناظم آباد' گلشن' ڈیفنس اور کلفٹن اپارٹمنٹ کلچر۔

ایک اچھے علاقے کی رہائش بھی آپ کے معاشرتی رتبے کو بلند یا کمتر ظاہر کرتی ہے۔ سو زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے بلکہ آنے والے وقت میں خود کو درست ڈھالنے کے لیے ضروری تھا کہ پہلے سے پیش بندیاں کرلی جائیں۔

وہ ہر نئی چیز کو اپنانے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے اور جسمانی مشقت جس کا حل تھا۔ مسابقت کی اس دوڑ میں بہت کچھ پیچھے چھوڑنا پڑا طوعاً" و کرہاً" بعض دفعہ خوش دلی سے بھی کہ اچھی شے کی تگ و دو میں بہت کچھ فراموش کرنا ہی پڑتا ہے۔

زندگی خواہشوں کا چابک بن گئی تھی اور یہ گھوڑے۔۔۔ چابک پڑتی تھی ذرا جو دھیمے ہوتے۔ پھر سے گرتے پڑتے ناہموار سانسوں کے ساتھ بھاگے جاتے بھاگے جاتے' بھاگے جاتے۔۔۔ یہاں تک کہ وہ سب بلکہ اس سے بڑھ کر بھی پایا جو کبھی سوچا کرتے تھے۔

مگر اس دوران کیا کیا چھوڑنا پڑ گیا۔۔۔ یا چھوٹ گیا بلکہ چھوٹ جاتا ہے۔ جب ہم دنیا کی مادیت کے پیچھے بھاگتے ہیں تو رشتوں ناتوں کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ جب ہم صرف دنیا کو ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں تب۔۔۔ اپنی بے وقعتی پر دین اور آخرت خود بخود اپنے حق سے دستبردار ہو کر پیچھے رہ جاتے ہیں۔ راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ منہ سے کچھ نہیں کہتے بس سوچ لیتے ہیں۔ اب ایک بار یعنی آخری بار ہی بات ہوگی۔

☆ ☆ ☆

2014ء ریٹائرمنٹ کا سال۔۔۔ جب سرکاری سطح پر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب آپ کی مزید خدمات کی ضرورت نہیں یا آپ ساٹھ سال کے ہو گئے ہیں اور اس قابل رہے ہی نہیں یا یہ بھی کہ بہت کرلی آپ نے خدمت محنت' اب شکریے کے ساتھ آپ آرام کیجیے۔

ریٹائرمنٹ کی تشریح جو دل چاہے ان معنوں میں کر لیجیے مگر حقیقت یہی ہوتی ہے کہ اب آرام سے بیٹھ جائیے۔

اور ہر ریٹائر ہو جانے والے شخص کی کیفیات دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔

سب کی اپنی خواہشات' ضروریات اور وجوہات۔

مگر ان سب سے پرے ثریا کے لیے ریٹائرمنٹ سراسر طمانیت تھی۔ پوش علاقے کے شان دار سے گھر میں فراغت کی پہلی صبح۔۔۔ ہر حوالے سے فراغت اور سکون بخش دن کا آغاز۔۔۔ دو بیٹیوں کو بیاہ چکی تھی۔ ایک بیٹا لندن میں ملازم تھا تو دوسرا وہاں پڑھنے چلا گیا۔ سب سے چھوٹی بیٹی کسی بڑے چینل کی بیورو چیف تھی۔ باوقار' نفیس' ذہین ثریا کو سارے بچے ہی قابل لگتے' پیارے لگتے مگر چھوٹی کی تو بات ہی کیا تھی۔

لندن میں زیر تعلیم بیٹے نے صاف صاف کہا تھا۔

"میری فکر نہ کریں' مجھے تو کسی گوری ہی سے شادی کرنا ہے۔"

بڑے بیٹے کے لیے بھائی کی بیٹی لی تھی۔ وہ وہاں جا کر گوریوں سے بڑھ کر گوری ہو چکی تھی۔

چھوٹے بیٹے کے اعلان نے نہ تو حیران کیا نہ دل توڑا۔ گویا ماڈرن ماں تھی۔ جب زندگی اس نے گزارنی ہے تو۔۔۔ بات ہی ختم۔

ریٹائرمنٹ کے بعد کرنے والے کاموں کی ایک لسٹ تو ہاتھ میں تھی۔ گنتی کے چند کام۔۔۔

چھوٹی بڑے عہدے پر تھی۔ آئے دن چینل پر کسی نہ کسی سیاست دان سے اڑا لگا کر بیٹھی ہوتی۔ بڑے بڑے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا۔ کیا سیاست دان' جاگیردار' صنعتکار' فنکار۔

"تمہارا رشتہ کرنے میں تو ہمیں بڑی مشکل ہوگی ثمن! جس طرح کے لوگوں میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

جو تمہارا حلقہ احباب اور مقام ہے۔ کنوئیں میں بانس ڈالنے پڑیں گے گویا۔"

ثریا کے لہجے میں بیٹی کے لیے ستائش ہی ستائش تھی۔ شوہر صاحب نے زور زور سے سرہلایا۔ وہ بھی اکثر اس پہلو پر سوچتے تھے۔ بیوی سے ذکر نہ ہو سکا۔ وہی بے پناہ مصروفیت۔ آج بات نکلی تو تائیدا" سر ہلایا۔

ثمن نے دونوں کو بغور دیکھا۔

"اوہ پلیز! آپ لوگ اس فکر سے تو دور ہی رہیں۔ آپ لوگ ڈھونڈیں گے تو مجھے کیا خبر ہو گی کہ موصوف کون ہیں' کیسے ہیں۔ ہمارا مینٹل لیول میچ ہو گا کہ نہیں اور سب سے بڑھ کر مجھے اس شخص سے شادی کرنی ہے جو میری فیلڈ کی نزاکتوں کو رئیلائز کرے گا۔ انڈر اسٹینڈ کرے گا اور سیکنڈ مجھے ارینج میرج تو کرنی ہی نہیں ہے۔ سمجھ گئے ناں آپ لوگ' میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔"

بیٹی کے ارفع خیالات پر دونوں نے جی جان سے اثبات میں سرہلایا۔ بالکل سمجھ گئے بیٹی نے ارینج میرج تو کرنی ہی نہیں ہے۔۔۔ مطلب لو میرج کرنی ہے ناں چلو جی جان چھوٹی۔

ایک کام جو بڑی تسلی سے کرنے کا سوچا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چھوٹی کے لیے رشتہ اور شادی۔ سب اس سے بھی بری الذمہ ہوئے۔

تو اب پیچھے کیا بچا۔ ثریا گرما گرم چائے کا کپ تھامے سوچ رہی تھی۔ پوری زندگی ایک فلم کی طرح سامنے دیوار پر گویا چلا دی گئی تھی۔ ایک کے بعد ایک منظر۔۔۔ ماں باپ' دادی نانی' بھائی' بچپن۔۔۔ چہرے پر مسکان سی جمی تھی۔

دیوار گیر قد آدم آئینے میں وہ خود کو کرسی پر بیٹھا دیکھ رہی تھی۔

کوئی عمر چوری نہیں۔۔۔ وہ ساٹھ برس کی ہو گئی تھی مگر سچ بات ہے لگ نہیں رہی تھی' پتلی نہیں' موٹی بالکل نہیں۔ رنگے ہوئے بال جدید اسٹائل کے ساتھ چہرے کی تازگی و چمک۔

شوہر صاحب تین برس پہلے ریٹائر ہوئے تھے۔ وہ اسی نئی لائف میں سیٹ ہو چکے تھے۔ حج تو ریٹائر ہوتے ہی کر آئے تھے۔ ثریا کو بھی ساتھ چلنے کو کہا' پر ثریا نے منع کر دیا۔

"آپ ہو آئیے۔ میری ریٹائرمنٹ ہو جائے تو دوبارہ چلے چلیں گے۔"

شوہر صاحب کو یہ بات بھی بھلی لگی۔

اور ابھی رات ہی تو وہ کہہ رہے تھے حج فارم بھروا دوں؟ تب ثریا نے اثبات میں سرہلایا مگر ساتھ ہی یہ بھی سوچا۔

"تین سال پہلے تو بقر عید نومبر کے مہینے میں پڑ رہی تھی۔ اچھا ہوتا اسی وقت چلی جاتی۔ اب اس بار ستمبر اکتوبر میں جانا پڑے گا اور کیا قیامت کا گرم موسم جھیلنا ہو گا۔"

شوہر صاحب بلڈ پریشر اور شوگر کے مریض۔۔۔ اپنا حج تو وہ کر چکے تھے۔ لیکن اگر ساتھ نہ جاتے تو ثریا کا حج کیسے ہوتا؟ بیٹوں کی ترجیحات میں حج کا نمبر تو نجانے کون سا تھا اور تھا بھی کہ۔۔۔ نہیں!

"ارے وہی کام ٹالنے والی میری عادت۔۔۔" اپنے ماتھے پر ہلکا سا ہاتھ مار کے خود کو لاڈلی سی سرزنش کرتے ہوئے وہ ڈائری نکال لی۔ جس میں ان فرائض کی ایک فہرست تھی اور جو ریٹائرمنٹ کے بعد کے لیے ٹھہرا دیے تھے۔

اول نمبر پر نمازیں تھیں۔ نانی دادی کی سخت تربیت کے باعث نماز زندگی کا لازمی حصہ رہی مگر کڑکتی دوپہروں کو آفس سے واپس آکر جب بیڈ پر گرتی تو غنودگی میں جاتے جاتے ہلکی سی جھرجھری لیتی کانی آنکھ سے گھڑی دیکھتی۔ بس پانچ منٹ اور۔۔۔ پھر اٹھتی ہوں۔ پھر جب پانچ منٹ پورے ہوتے تب آنکھ کھلتی تو پتا لگتا ظہر کا وقت عصر کو بھی ساتھ لے اڑا ہے۔ کبھی لپک جھپک قضا کے لیے کھڑی ہو جاتی اور کبھی کل ملا کے پڑھ لوں گی۔ سوچ کر گھر اور بچوں کو سنبھالنے لگ

پڑتی۔

نمازوں کی تعداد کا حساب تو نہیں تھا مگر روزے یاد تھے۔ پانچ میں سے چار بچے رمضان میں تولد ہوئے تھے۔ تیس روزوں کا پکا ناغہ۔۔۔۔

پھر دوسرے ناغوں کی گنتی کی تو تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ آنکھوں کے آگے تارے سے ناچ اٹھے۔ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

یہ کیسے رکھے جائیں گے؟ سوچا۔۔۔ کچھ رکھ لوں اور کچھ کا فدیہ دے دوں لیکن پتا نہیں فدیہ کا کیا حکم ہے؟ دادی جان ہوتیں تو رٹو طوطے کی طرح بتا دیتیں حوالوں سے مثالوں سے۔

اور اگر کل سے روزے شروع کر بھی دوں تو کتنی گرمی ہے اور آگے رمضان بھی شروع ہونے والا ہے۔

اور وہ جو سوچ رکھا تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد خود قرآن پاک پڑھ کر ابی ابا میاں' نانی جان دادی جان اور بڑے بھائی جان کو بخشے گی

"تو وہ کام بھی باقی ہے۔"

"اے بچو! بھلے سے قبر پکی نہ کروانا' بھلے مٹی میں مٹی ہو کر بے نام و نشان رہ جائیں مگر پڑھ پڑھ کر ہمارے نام سے بخشتے ضرور رہنا۔"

کبھی کبھی دادی اور نانی پر موت کا خوف طاری ہوتا تو بس مغفرت کی دعا کی منت کر ڈالتیں۔۔۔ مگر مصروفیت کے اس عالم میں ثریا کو وقت ہی نہ ملا۔

نماز پڑھنا تو ایک عادت تھی۔ لاپروائی سے۔ جو چھوٹی اسے پڑھنا اتنا مشکل نہیں لگ رہا تھا۔ مگر روزے۔۔۔ ہاں یاد آیا' بڑا بیٹا کہہ رہا تھا کہ سال چھ ماہ اگر ماں باپ اس کے پاس آ کر رہ جائیں۔۔۔ تو کیا خیال ہے پھر روزے وہیں جا کر نہ رکھے جائیں۔ سرد موسم۔۔۔۔ چھوٹے دن۔ تو یہ تو پھر مانو حج کے بعد ہی ممکن ہو گا۔

لیکن یہ ہے کہ آج کل میں آٹھ روزوں کا ایک سیٹ تو رکھ ہی لوں۔ گھر کے اندر تو موسم اچھا ہی ہوتا ہے۔ ٹھنڈے کمرے۔ اے سی' اور باہر جانا بھی نہیں ہو گا مگر ابھی وائٹ واش کی بات بھی ہو رہی تھی۔

دونوں بیٹیاں اس بار چھٹیاں رمضان اور عید منانے کے لیے میکے آنا چاہتی تھیں۔ ان کی آمد کی تیاری منجھلی بیٹی ہاؤس وائف تھی۔ سو میاں کی چھٹیوں پر چلتی تھی۔ بڑی ورکنگ وومن اپنے حساب کتاب سے نکلتی۔ ماں کی فراغت کی خوشی میں بڑے اہتمام سے یکجا ہونے کا وقت طے کیا تھا۔ دونوں بہت پرجوش تھیں۔ پکنک' شاپنگ' ملنا ملانا تفریح کے بہت سے منصوبے۔۔۔ ماں باپ کے ساتھ تسلی سے مزے سے گپ شپ۔

"وائٹ واش اس ویک کے اینڈ میں شروع کروا لیتی ہوں۔ ساتھ ساتھ دیگر تیاریاں بھی۔۔۔ رمضان سے پہلے کے دس دنوں میں روزے رکھ لوں گی پچھلے برس کے۔۔۔۔ جب بخار نے آن گھیرا تھا۔"

ثریا پروگرام ترتیب دے کر مطمئن ہو گئی۔

فرصت کے ان لمحوں کا انوکھا فسوں دل و جان کو معطر کر رہا تھا۔ یونہی خود بخود سارے گھر میں ٹہلنے گئی۔ ہر چیز سے یادیں جڑی تھیں۔ محنت' کوشش' خواہش اور تکمیل۔۔۔ دیوار پر لگی پوری فیملی ممبرز کی مختلف مواقع پر کھنچی تصاویر کے پاس رک کر یادوں کے در کھٹکھٹانے میں بڑا مزا آ رہا تھا۔

ہر دروازے کے پیچھے ایک داستان۔۔۔۔

کتنی مزے کی بات تھی۔ جو چاہا وہ پا لیا۔۔۔ کوئی قلق نہیں۔ کوئی تمنا ادھوری نہیں طمانیت سی طمانیت۔

کچن سے مسالا بھننے کی خوشبو آ رہی تھی۔ ماسی پوری دل جمعی سے ہانڈی تیار کر رہی تھی۔ شیشے کی دیوار سے لان کی ہریالی دکھائی دیتی تھی۔ مالی قینچی پکڑے مشغول تھا۔ ٹی وی کی آواز بند تھی مگر مہمانوں کے لتے لیتی ٹمن کی فصاحت و بلاغت سمجھ میں آ رہی تھی۔

زندگی بھر صبح جلدی جانے کے خیال سے گاڑی کو دوڑایا تھا۔ آج کسی بھی چنتا کے بغیر خراماں خراماں جانے میں بڑا مزا آ رہا تھا۔ کتنا سکون تھا آج انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔

مگر۔۔۔۔

دیو ہیکل ٹرک کو نجانے کہاں پہنچنے کی عجلت تھی۔

اس کی پہلی ٹھوکر سے کار روڈ پر یوں اچھلتی گئی۔ جیسے پیر کی ٹھوکر سے سگریٹ کی خالی ڈبی کہیں بہت دور جا گرتی ہے اور اس پر کسی کا پیر پڑ جاتا ہے۔ ٹھس۔ چرمر۔

ثریا کو تو بچپن ہی سے آج کا کام کل پر ٹال دینے کی عادت تھی۔ عادت پختہ اور ضرر رساں اس لیے نہیں تھی کہ۔۔۔ کبھی کوئی نقصان اٹھایا ہی نہیں۔ بھلے سے بہت دیر سے' بھلے سے عین وقت پر بھاگم بھاگ۔۔۔۔ لیکن وہ تکمیل کام کے ساتھ سب کے برابر جا کر کھڑی ہو ہی جایا کرتی تھی اور اسی خود اعتمادی اور بے نیازی نے آج کا دن دکھایا۔

اسے یقین تھا وہ روکے ہوئے' ٹالے ہوئے کام لشتم پشتم کر لیا کرتی ہے۔ کسی نے سوال نہ اٹھایا کہ کیسے کیا۔ بس وہ پیش کر دیتی تھی۔ مکمل بے عیب۔

اور ثریا کو چھوڑ دیں' وہ تو عادی تھی یا اس کی فطرت تھی۔ ہم میں سے بہت سے لوگ جوانی کو محض دنیا حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزار دیتے ہیں کہ جوانی کی جدوجہد محفوظ مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ ایک خود مختار بڑھاپا۔ جب آپ دنیا کے سامنے اپنے بچوں کے سامنے سرخرو ہوتے ہیں۔

ہم میں سے کئی لوگ۔۔۔ میں بھی اور آپ بھی۔۔۔ خواہشوں' خوابوں کے چابک کے وار سہتے اندھا دھند بھاگ رہے ہیں کہ یہی وقت ہے۔ جو کرنا ہے کر لو۔ بعد میں تو فقط پچھتاوا ہو گا۔

ہم نے بھی عبادتیں' ذکر' نمازیں اور روزے بڑھاپے کے لیے ٹال رکھے ہیں جب کرنے کو کچھ نہیں ہو گا۔

ہم میں سے ہر ایک کے الگ الگ پلان ہیں۔ جن پر ہم نے فراغت کے دنوں میں عمل کرنا ہو گا۔ باغبانی کا شوق ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد۔۔۔

کتب بینی کا شوق۔ وہی ریٹائرمنٹ کے بعد کتابیں لے لے کر سالوں سے ڈھیر لگا رکھا ہے۔ کسی کو پہاڑوں کی سیر کو جانا ہے۔ (کیا تب قویٰ مضبوط رہیں گے؟)

"کچی بستی والے فلاحی اسکول میں اگر ایک گھنٹے کا پیریڈ آپ بھی لے لیں۔" اس درخواست کو قبول تو کر لیا مگر مسکراتے ہوئے جتا دیا۔

"ایک پیریڈ کیوں ہم بھرپور ساتھ دیں گے بس ذرا فراغت میسر آ جائے تو۔۔۔"

کچھ خبر ہے' اسکول تو وہیں کا وہیں رہے گا کہ دنیا چلتی رہتی ہے استاد بھی مل جائیں گے۔ یہ سوچیے کہ کیا آپ اس وقت رہیں گے؟

اور کچھ لوگ رشتے داروں اور دوستوں سے ملنے کو بھی فراغت ملنے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بہت بچپن میں قرآن پاک پڑھنا سیکھا تھا پھر مسلسل دہرانے کی ضرورت ہی نہ مل سکی۔ کسی محلے دار کے سوئم میں جب ہاتھ میں سیپارہ تھما دیا گیا۔ تب بہت جھجکتے ہوئے کن انکھیوں سے دائیں بائیں سب کو دیکھنے کے بعد جب ورق کھولا تب پتا لگا ہر تیسرے لفظ پر اٹکنا پڑ رہا ہے اور روانی تو دور کی بات انگلی چل ہی نہیں رہی۔

تب خود سے جی بھر کے شرمندہ ہوتے ہوئے تصحیح کرنے کا عہد کر لیتے ہیں مگر کب۔۔۔ فراغت کے بعد نا۔۔۔۔ اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔ کر لیں گے۔ ہو جائے گا۔ اس نوجوانی مستانی سے۔ جدوجہد کا وقت کا ہے۔ سر توڑ کوشش۔۔۔ منٹ منٹ قیمتی ہے۔

ثریا کے پاس صحت بھی تھی۔ مالی استحکام بھی۔۔۔ دیر سے ہی سہی مگر وہ اپنے کام پورے کر لیا کرتی تھی۔ اس نے بڑا شاندار ٹائم ٹیبل سیٹ کیا تھا۔ لیکن! اس کا طے کردہ وقت اللہ کے مقرر کردہ وقت سے ٹکرا گیا اور جب اللہ گھنٹی بجا دیں تب سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔ وقت رک جاتا ہے۔

کتنے ہی باب ادھورے رہ جاتے ہیں مگر اوراق ختم ہو جاتے ہیں۔ کہانی تمام ہو جاتی ہے۔

ہمارا قصہ بھی تمام ہوا۔ داستان ادھوری رہ گئی۔

سوال صرف یہ رہ گیا۔ کہیں آپ بھی ثریا تو نہیں۔۔۔ یا

یا۔۔۔۔ شاید میں۔۔۔؟

☆